فتنہ وضع حدیث وانکار حدیث کے اسباب و محرکات اوران کا تدارک
(تاریخی و تجزیاتی مطالعہ)

Reasons and Motives for the forgery and Rejection of Hadith, and their Remedy (Historical and Analytical Studies)

*عبدالرؤف

**ڈاکٹر ریاض احمد سعید

ABSTRACT

This study analytically describes the reasons and solution of Fitna Waza-e-Hadith and Inkār-e-Hadith (temptation of denial and fabrication of Hadith) in historical context of the compilation of Hadith. The Muslim Ummah, in its entire history, has faced many kinds of assaults by enemies of Islam. However, the Hadīth fabrication have been presented as the most severe challenge. The opponents of Islam, in early phases of Islamic history, decided to damage the authenticity of the unparalleled and unexampled treasure of the Prophet's Āhādth. Their efforts, however, were thwarted by the efforts of scholars of the science of Hadīth criticism (Muhaddithīn). May Almighty bless the souls of those who defended the Prophet's Āhādth. They exerted their full efforts in sifting the true knowledge from fabrications. They pointed out the loopholes through which the fabricated Aḥādīth were mixed with the sound ones. The amount of fabrications can be imagined by considering the fact that only a few thousand narratives (Rowāt) could pass the test of a set criterion for the sound Aḥādīth from hundreds of thousands of Aḥādīth. This renders it important for us to discuss in detail the motives of Hadīth fabrication and try to establish the ways weak and fabricated traditions were included in the sound Aḥādīth. We must also understand the nature of this evil. For if a researcher in this field is not fully aware and well known of the nature of the evil he cannot be expected to show the required competence in the field of Prophet's Hadith. The temptation of the fabricated Hadith is a big challenge to the Muslim community throughout the history. Therefore Muslim must be careful to pass out the Prophet's Hadith without checkout its authenticity and refrence. In

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

** لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

this study analytical and historical research approaches are adopted with mix method approaches.

KEYWORDS: *Fitna Inkar-e-Hadith, reasons, motives, solution, historical and analytical study.*

تاریخی اعتبار سے فتنہ انکارِ حدیث اور وضع حدیث ایک اہم ترین مسئلہ رہا ہے اور یہ بات تاریخِ اسلام کے ایک خاص دور اور خاص پس منظر سے تعلق رکھتی ہے۔ جوں جوں اسلام نے دنیا میں پھیلنا اور غلبہ حاصل کرنا شروع کیا تو دشمنان ِ دین نے اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں۔ اسلام کی بنیاد اور قوت قرآن مجید ہے۔ دشمن نے پوری کوشش کے باوجود جب قرآن مجید کو کمزور نہ کر سکے تو انہوں نے اس کو غیر مؤثر کرنے کیلئے حدیث نبویہ کو اپنا ہدف بنالیا۔ چونکہ قرآن مجید کی اصل تشریح حدیث ہے اس لیے انہوں نے نہایت مکاری سے حدیث کو غیر معتبر اور مشکوک کرنے کے لیے طریق وضع کیے۔ ان طریقوں میں ایک طرف مختلف سوالات کے ساتھ حدیث کا انکار کرنا شروع کیا تو دوسری طرف اس کو غیر معتبر کرنے کیلئے وضع حدیث کا طوفان کھڑا کر دیا۔

حدیث کے تاریخی مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انکار حدیث کا آغاز شروع اسلام ہی سے کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ تاہم گزرتے وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حدیث نبویہ کے خلاف دوسری بڑی سازش جھوٹی احادیث کا گھڑنا تھا۔ وضع حدیث کا بڑے پیمانے پر آغاز خلافتِ راشدہ کے بعد ہوا۔ جیسے ہی امّت مسلمہ سیاسی انتشار کا شکار ہوئی تو وضّاعین کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملا۔ اس بہتی گنگا میں سیاسی اور مسلکی دھڑوں نے بھی ہاتھ دھونا شروع کر دیئے۔ آپ ان وضاعین کے بارے میں بھی مطالعہ کرینگے۔ اس باب کے آخری حصہ میں علماء امت کی ان کاوشوں کا بھی ذکر کیا جائے گا، جن کے باعث حدیث پر ان بڑے حملوں کا کامیابی سے دفاع کیا گیا۔ آج اللہ کے فضل سے حدیث نبوی ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک اور دور جدید کے مسائل کا بہترین حل فراہم کر رہی ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں فتنہ وضع حدیث کے اسباب و محرکات اور اس کا تدارک تاریخی پس منظر میں بیان کیا گیا ہے۔

فتنہ انکارحدیث کی ابتدا:

یہ فتنوں کا دور ہے طرح طرح کے فتنے ظہور میں آرہے ہیں۔ گمراہی اور لادینیت کے داعی طرح طرح کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہیں۔ نشر واشاعت کے ذریعے اپنے زہریلے اثرات مسلمانوں میں چھوڑ رہے ہیں۔ منکرین حدیث سادہ لوح مسلمانوں، خاص کر اردو دان طبقہ سکول اور کالجز کے نوخیز طلبا کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے گمراہ کن لٹریچر کے ذریعے اسلامی تعلیمات سے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ یہ کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ یہ ان یہودی اور نصرانی آقاؤں کی ایک خاص منصوبہ بندی اور سازش کے تحت تکمیل پا رہا ہے۔ جدید فتنوں میں انکارِ حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں پُرانا۔ جس جماعت نے حضرات صحابہ کرامؓ سے کٹ کر اپنا راستہ علیحدہ بنایا اس نے انکارِ حدیث کی روش اپنائی اور اسے آگے بڑھایا، اپنی گمراہی پر خوش نما لیبل لگایا

اور پرکشش نام رکھے۔ انکارِ حدیث کی تحریک کسی دور میں بھی منفی عنوانوں سے نہیں چلی بلکہ اس نے اپنی منفی آواز کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا۔ اس کی چند صورتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ جامعیت قرآن کا نعرہ لے کر اُٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز (یعنی حدیث) کی ضرورت نہیں۔
کبھی ان لوگوں نے کہا کہ قرآن کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں۔

۲۔ کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلافِ عقل ہونے کا سہارا لیا اور ان کے ذریعے سارے ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ کبھی یہ الزام تراشے کہ ہم ان حدیثوں کو کیسے مان لیں جن میں خلاف عقل مضامین ہیں۔ ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث تمام ذخیرہ احادیث کا انکار کر دیا۔

۴۔ کبھی انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا اور کہا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں۔ تمہارے ذخیرہ احادیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں۔

چودھویں صدی ہجری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے وہیں انگریز نے جھوٹے نبی کھڑے کیے اور فتنہ انکارِ حدیث بھی نئے انداز میں سامنے آیا۔ اب یہ فتنہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منفی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے یہ تحریک اب زور پکڑتی جا رہی ہے۔ چنانچہ ایک منکر حدیث کھل کر کہتا ہے۔ "یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابلِ علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا۔[1] "

فتنہ انکار حدیث کا ارتقاء:

دور نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث:

انکار حدیث کی ابتداء ایک لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس وقت ہو چکی تھی جب ذوالخویصرہ نامی شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اسے رد کر دیا۔ یہ وہ پہلا واقعہ ہے جس میں آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی حدیث کا انکار کیا گیا۔ چنانچہ حدیثِ رسول ﷺ کے انکار کی تحریک بعثت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی شروع کی گئی تاکہ لوگوں کے لیے اسلام لانے میں ان کے پیدا کردہ شکوک کی بنا پر رکاوٹیں کھڑی ہوں۔

حضور ﷺ کی رسالت کا سب سے پہلا انکار یہودنے کیا۔ چونکہ رسالت کا مقصود صرف اقوال رسول ﷺ کو سچا مان کر ان پر ایمان لانا ہے اور جو فرمانِ الٰہی وہ پیش کریں اس پر سچے دل سے یقین کر کے عمل کرنا ہے۔ پس حضور ﷺ کا یہ دعویٰ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا ہے۔ حدیثِ رسول کہلاتا ہے۔ اس لیے جو حدیث رسول کا منکر ہے وہ حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کا منکر ہے۔

عہد صحابہؓ میں فتنہ انکارِ حدیث :

حضور ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہودیت اور نصرانیت نے اسلام دشمنی کے لیے سر اُٹھایا اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو اسلام سے کفر کی طرف پھیرنے میں خوب کام کیا۔ مثلاً ایک قبیلے کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ "زکوٰۃ کی فرضیت اور ادائیگی کا تعلق حضور ﷺ کی ذات سے تھا" اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔ ختم نبوت کے خلاف مختلف اطراف میں نبوت کے جھوٹے دعوید اراٹھائے گئے۔

عین اسی زمانے میں ایک انتہائی خطرناک آدمی یمن کا ایک صنعانی یہودی نمودار ہوا جس کا اصلی نام جہود تھا۔ اس نے اپنا اسلامی نام عبد اللہ بن سبا رکھا اور مشہور کر دیا کہ اس نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت عثمانؓ اس کی قدر کریں گے۔ مگر جب حضرت عثمانؓ نے اس کو شہر مدینہ سے باہر نکال دیا تو اس نے حضرت عثمانؓ کی عیب جوئی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ وہ پہلا یہودی سازشی ہے جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ان کے صحابہ کرامؓ کو بھی عیب جوئی کا نشانہ بنایا۔ مدینہ سے نکل کر اس نے کوفہ، شام اور بصرہ کا دورہ کیا۔ اس نے وہاں موقع پاکر اسلام کے خلاف تحریک چلائی۔ اس کی تحریک کے بنیادی عناصر درج ذیل تھے۔

۱۔ صحابہ کرامؓ کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر لوگوں کے سامنے ان کی عدالت اور معیار و وقار کو گرانا۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کی طرف جھوٹے بیانات منسوب کرنا۔

۳۔ مفہوم قرآنی کے تعین کے لیے حضور ﷺ کی تشریحات کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی من مانی اور خواہش کے مطابق قران پاک کے مطالب بیان کرنا۔

۴۔ ان عقائد کی ترویج کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور ان کو آپس میں لڑانا تاکہ اسلامی قوت تہس نہس ہو جائے اور یہودیت کا پھر سے غلبہ ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹے بیانات سب سے پہلے اس یہودی نے منسوب کیے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ، حضرت شعبی کے حوالے سے ابن سبا منافق کے متعلق یوں رقم طراز ہیں کہ

اوّل من كذب على رسول لله هو عبدالله بن سبا۔[2]

"حضور ﷺ پر سب سے پہلا جھوٹ کہنے والا یہ یہودی منافق عبد اللہ بن سبا تھا"۔

چنانچہ ایک مشہور بزرگ مسیب بن نجبہ نے کوفہ کی جامع مسجد میں اسے کھڑا کر کے لوگوں کے سامنے اعلان کیا "يكذب على الله و على رسوله"[3] "یہ منافق یہودی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے"۔ ان کی طرف ایسی بیہودہ باتیں منسوب کرتا ہے جو ایک احمق ترین آدمی بھی نہیں کہہ سکتا۔

اس مفسد اور یہودی منافق نے بصرہ میں ایسی جماعت تیار کی تھی جو کہا کرتی تھی کہ قرآن کے سوا ہم کسی بات کو نہیں مانتے۔ چنانچہ صاحب کفایہ خطیب بغدادیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ جماعت لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتی تھی کہ قرآن کے سوا کسی اور بات کو نہ مانو اور قرآن کا مفہوم وہی ہے جو تمہارا ذہن اخذ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ اپنی کتاب ''لسان المیزان'' میں فرماتے ہیں:

کان عبداللہ اوّل منا ظھر ذلک۔ [4]

"عبد اللہ بن سبا یہودی وہ پہلا شخص ہے جن نے اس تحریک کا آغاز کیا۔"

عہد تابعین میں فتنہ انکار حدیث:

یہود نے اسلام کی دشمنی اور مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی گویا وہ اسلام کی مخالفت اپنا مذہبی مشن سمجھتے تھے۔ اس لیے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ سازشوں کا جال بچھاتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اعتزال یعنی عقل پرستی رونما ہوئی۔ جس کے بنیادی عوامل میں غلط نظریات کا دخل رہا ہے۔ عہدِ بنو امیہ میں معتزلہ کی وجہ سے حکمرانوں کی خونریزیوں نے عوام میں انتہائی بے چینی اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف بدگمانی پیدا کی کہ اہل اسلام مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کے حواریوں نے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈا کر کے یہ بھی مشہور کر دیا کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ورنہ اس کی تعلیمات میں حقیقی خوبیاں، اخلاقی جاذبیت اور اتنی قوت نہیں جو حیاتِ انسانی کے مختلف گوشوں کے لیے کافی ہو وغیرہ وغیرہ۔ ان عوامل نے ایک نیا فرقہ جنم دیا جس کے خیال کے مطابق جو احکام عقلی گرفت میں نہ آسکتے ہوں ان کا انکار کر دیا جائے، اس فرقہ کا نام معتزلہ ہے۔ اس فرقے کے متعلق مولانا بدرِ عالم لکھتے ہیں کہ

> "اس فرقے نے اپنے فاسد مزاج کے سبب حشر و نشر، رؤیت باری تعالیٰ، صراط، میزان، وزن، اعمال، جنت و دوزخ جیسے بنیادی عقائد کے وجود کا انکار کر دیا کیوں کہ ان کا مفہوم ان کے متعین کردہ عقلی میزان میں پوری طرح نہیں آسکتا تھا۔ ان مسائل کے متعلق قرآنی آیات کی خود ساختہ تاویلیں کیں اور خبر واحد جیسی احادیث کا انکار کیا۔"

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطا تھا جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ابھرا اور عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرہ احادیث کو کچلتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں امام شافعیؒ نے سب سے پہلے فتنہ انکارِ حدیث کا رد کیا۔ [5]

معتزلہ کے علاوہ نیچریوں نے بھی انکارِ حدیث کیا۔ لیکن ان کا انکار علمی شبہات کی اوٹ میں پروان چڑھا۔ مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے۔ حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے

دور دور تک بکھیرے۔ گولڈ زیہر وغیرہ نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں۔ عرب ممالک میں حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھول دیں۔ الحمد للہ ان ممالک میں جامعۃ الأزھر، مدینہ یونیورسٹی، امّ القریٰ اور سعودی عرب کے بعض علماء نے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سدباب کیا ہے۔[6]

فتنہ انکارِ حدیث عصر حاضر میں:

دور جدید کا فتنہ انکار حدیث علمی نہیں بلکہ یہ اس سازش کا حصہ ہے جو عناد اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے جس کو ایک سازش کے تحت یورپ کے مستشرقین نے ہندوپاک کے اسلام نما شاگردوں کے ذریعے شروع کیا۔ بعض کو نبوت کے دعوے کے لیے تیار کر دیا اور بعض کو حدیث رسول ﷺ کے انکار کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ ان مفسدین نے حفاظت حدیث کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انہوں نے حفاظ حدیث کی کثرت تعداد پر حیرت و تعجب کا اظہار کر کے اس کو خلافِ فطرت قرار دیا۔ دوسرے قدم میں انہوں نے حدیث کی تاریخیت پر حملہ کر دیا اور جان بوجھ کر صحابہ کرامؓ اور صالحین امت پر یہ بہتان لگایا کہ ان کے زمانے میں حدیث کا وجود نہیں تھا۔

انگریزی دورِ حکومت نے ایسا ہی نظام ہندوپاک میں رائج کیا، جس کے سبب اسلام کی مخالفت کے لیے ایک اسلام نما مگر یورپی ذہن رکھنے والا گروہ وجود میں آیا۔ جس کا کام دین سے فرار اور اعمالِ رسول ﷺ سے گریز کرنا تھا۔ چنانچہ خود ڈبلیو ہنٹر اس نظام تعلیم کا مقصد بتاتے ہوئے کہتا تھا کہ: "ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار نہ جانتا ہو"۔ اس سلسلے میں لارڈ میکالے کا بیان ہے "نظام تعلیم کے ذریعے ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہمارے اور رعایا کے درمیان ترجمان کا کام کرے اور وہ ایک ایسی جماعت ہو جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مزاج، رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو"۔[7] ان مقاصد کے حصول کے لیے انگریز مکار نے اسلام نما دشمنوں کا انتخاب کیا جو اسلام کا ظاہری لیبل لگائے منافقانہ اور عیارانہ طریقوں سے اسلام کے بارے میں بدگمانی پھیلاتے رہے۔ ان لوگوں میں سے انگریزوں کو ایسے نادان مسلم لیڈر بھی ملے جنہوں نے حدیث رسول ﷺ کا انکار کر کے قرآنی تعلیمات کے خلاف عیسائی اور انگریزی سازشوں کی تائید کی۔

عبد اللہ چکڑالوی نے کھلم کھلا حدیث کا انکار کر کے (اپنا نام) اہلِ قرآن رکھا اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے لگا۔ اس نے تمام ذخیرہ احادیث اور اقوال رسول ﷺ کو معاذ اللہ خیالات کا پلندہ قرار دیا۔[8] منکرینِ حدیث میں ایک اسلم جیراجپوری ہے، اس نے بھی اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے اقوال رسول ﷺ کا انکار کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ "احادیث کا ذخیرہ پیغمبر کے منہ سے نکلا ہی نہیں، آپ ﷺ نے صرف قرآن کی تبلیغ کی ہے"۔ بعد ازاں ایک ایسا شخص آیا جس نے قرآن کریم کے نام سے اسلام دشمنی کی تمام حدود کو پامال کر کے ضلالت و گمراہی کی حد کر

دی۔ وہ غلام احمد پرویز بٹالوی ہے۔ جو ایک طرف خدا اور رسول ﷺ کے وجود سے انکار کرتا ہے اور دوسری طرف خود اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ”قرآن حکیم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز و نظام حکومت ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں مرکز و ملت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعبیر کیا گیا“۔ [9]

یہ بیانات منکرین حدیث کے ہیں جو درحقیقت منکرین قرآن ہیں۔ جو نظریات وہ پیش کرتے ہیں، اسلام کو مٹانے کی وہی یہودیانہ سازشیں ہیں جن کو عبداللہ بن سبا اور ان کے پیروکاروں نے شروع کیا تھا۔

منکرین حدیث کی اقسام:

احادیث نبویہ میں مختلف قسم کے منکرین حدیث کی خبر دی گئی ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور طریقوں سے احادیث رسول ﷺ کا اعتبار ختم کرنے کی ناکام سعی کریں گے۔ ان کی تین بڑی قسمیں درج ذیل ہیں۔

ا۔ واضعین حدیث

یہ طبقہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ وضّاعین حدیث کی صورت میں نمایاں ہو گا جو وضع حدیث کے پیرایہ میں حدیث کو بے اعتبار کر کے گویا اس سے انکار کی دعوت دے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"آخر زمانہ میں ایسے جھوٹے اور جعلساز پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں (گھڑ کر) بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤاجداد نے۔ ان سے بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور مبتلائے فتنہ و فساد نہ کر دیں"۔

علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں :

وَالْوَاضِعُونَ لِلْحَدِيثِ أَصْنَافٌ، وَأَعْظَمُهُمْ ضَرَرًا قَوْمٌ مِنَ الْمَنْسُوبِينَ إِلَى الزُّهْدِ، وَضَعُوا الْحَدِيثَ احْتِسَابًا فِيمَا زَعَمُوا، فَتَقَبَّلَ النَّاسُ مَوْضُوعَاتِهِمْ ثِقَةً مِنْهُمْ بِهِمْ وَرُكُونًا إِلَيْهِمْ، ثُمَّ نَهَضَتْ جَهَابِذَةُ الْحَدِيثِ بِكَشْفِ عُوَارِهَا وَمَحْوِ عَارِهَا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ.[10]

"حدیث گھڑنے والوں کی (کئی) قسمیں ہیں۔ ان کے سب سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں انہوں نے اپنے خیال میں احتساب سے (ڈرانے) کے لیے حدیثیں گھڑ لیں اور سمجھتے یہ رہے کہ اس میں ثواب ملے گا۔ لوگوں نے ان کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے ہوئے ان کی موضوع روایات کو قبول کر لیا۔ پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تا کہ اس گمراہی کا پردہ چاک کر دیں اور اس کی خرابی کو مٹا دیں اور تعریف تو اللہ ہی کی ہے"۔

۲۔ منکرین حدیث:

ایسے لوگوں کے وجود کی بھی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کر کے اسے بے اعتبار بنانا اور مٹانا چاہیں گے۔ چنانچہ مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

> ”خبر دار رہو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کا مثل بھی دیا گیا ہے (یعنی حدیث)۔ آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرا تونگر قسم کا آدمی مسند و تکیہ پر بیٹھ کر کہے گا۔ لوگو! بس قرآن کو مضبوط تھام لو جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو۔ (حدیث کا کوئی اعتبار نہیں)۔ حالانکہ (حدیث میں) رسول اللہ ﷺ نے بہت سی چیزوں کو حرام کیا ہے۔ جیسے اللہ نے حرام فرمایا ہے۔ دیکھو پالتو گدھے کا گوشت تمہارے لیے حلال نہیں، کاٹنے والے درندے تمہارے لیے حلال نہیں۔ کسی معاہد کی گری پڑی چیز تمہارے لیے حلال نہیں۔ الّا یہ کہ تمہاری اطلاع کے بعد وہ خود ہی اس سے دست بردار ہو جائے“۔[11]

۳۔ محرفین حدیث:

یہ وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکار حدیث یا تحریف الفاظ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلایا۔ ایسے طبقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں تحریف کے مرتکب ہونے والے تھے۔ چنانچہ احادیث میں ان تحریف معنوی کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود ہے۔ جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر بھی پھر اس سے آزاد بلکہ اپنی عقل کو حکمران سمجھیں گے اور معانی قرآن و حدیث میں عقل محض اور رائے مجرد سے معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی روایت پیدا ہو جائے گی۔ فرمایا گیا

> "یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب جہنمی ہوں گے"[12]۔

یہ گروہ بندی قرآن و حدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار کے نام پر ہوئی اور امت میں اصولاً تہتر فرقے بن گئے، یہ وہی معنوی تحریف ہے جو یہود و نصاریٰ کا وطیرہ تھا اور رفتہ رفتہ توراۃ و انجیل کا اصل علم گم ہو گیا۔

فتنہ ءوضع حدیث کے اسباب و محرکات

وضع حدیث کا معنی ہے حدیث کو اپنے پاس سے گھڑنا۔ اس سے مراد ایسا کلام ہے جس کو لوگ اپنی طرف سے تخلیق کریں اور اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کریں۔ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

وضع کا آغاز

خلفائے اربعہ کے زمانہ تک حدیث ہر قسم کے کھوٹ سے پاک نتھرا ہوا چشمہ تھا۔ اس میں تحریف و نفاق کی آمیزش دور دور تک نہیں تھی۔ مگر جب اسلام میں اہلِ مصالح، اہلھوا داخل ہوگئے تو تخریب کی وباء پھیل گئی۔ سب سے پہلے اسلام کو جو دھچکا لگا جس کے نتیجے میں مختلف فتنے رونما ہوئے، وہ پہلی صدی کا فتنہ شہادت عثمانؓ ہے۔ اس فتنہ نے اسلام کے تناور درخت کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس فتنہ نے امت کو بعض ایسے حوادث سے دوچار کر دیا جس نے اسلام کا معدہ ہی بگاڑ دیا اور اس میں سوء ہضم کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ آج تک اس فتنے کی مسموم ہواؤں سے عالم اسلامی زہر آلود ہے۔

اس فتنہ کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت پر مسلمانوں نے اپنی وحدت کا مظاہرہ کیا۔ مگر یہ وحدت بھی ناپائیدار ثابت ہوئی، اس لیے کہ حادثات کی رفتار اتنی تیز تھی کہ امن و سلامتی کی موجوں میں طوفان کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اسلامی صف دو حصوں میں بٹ گئی، ایک بڑی صف حضرت علیؓ کے لشکر اسلام کے ساتھ تھی تو دوسری صف حضرت معاویہؓ کے اسلامی لشکر کی صورت میں موجود تھی۔ اگر حضرت علیؓ کے ہمراہ اہل حجاز و عراق کی قوت تھی تو حضرت معاویہؓ امیر شام کے ہمراہ شام اور مصر کے لوگ تھے۔

امت کو یہ تقسیم بڑی مہنگی پڑی، مسلمانوں میں دردانگیز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ جنگ ختم بھی ہوئی تو کہاں؟ تحکیم کے گھناؤنے نعرہ کے ساتھ، جس کی گندگی سے مختلف سیاسی فرقے اسلام میں پیدا ہوگئے۔ جمہور حضرت علیؓ کے ہمنوا ہوگئے، اس لیے کہ حضرت علیؓ ہی کے ہاتھ پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد عامتہ المسلمین نے بیعت کی۔ حضرت معاویہؓ کی ٹولی کے لوگ خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے نعرے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو حضرت معاویہؓ کی خلافت کے مطالبہ پر جا کر ختم ہوئی۔ ان تاریخی واقعات کی روشنی میں دو بنیادی اسباب و عوامل ملتے ہیں۔ انہی اسباب نے وضع حدیث کو جنم دیا۔

۱۔ سیاسی گروپ بندی (جمہور، خوارج)

۲۔ اسلام دشمنی (زنادقہ)

ان کے علاوہ کچھ ثانوی عوامل بھی تھے جو وضع حدیث کے انتشار میں مدومعاون رہے۔ ان کا ذکر آگے آئیگا۔

اسباب وضع حدیث

اس سے پہلے یہ ذکر ہوچکا ہے کہ وضع حدیث کا بنیادی سبب امت کا مختلف سیاسی گروہوں میں تقسیم ہونا ہی تھا، جس نے بعد میں دین کی صورت اختیار کرلی۔ ہر گروہ نے یہ کوشش شروع کردی کہ اپنے موقف کی تائید یا اپنی رائے کی تصویب وضع حدیث کرکے اس کو رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے مؤکد و مؤید بنائیں۔ اس کے بعد اور بھی اسباب پیدا ہوئے جن کا وضع حدیث میں بڑا کردار ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

ا۔ گروہ بندی

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں گروہ بندی اور اختلافات کا آغاز ہوا۔ گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی و مسلکی دھڑے بندیاں شروع ہو گئیں۔ خوارج وجود میں آئے، ان میں ہر جماعت نے احادیث کی وضع میں حصہ لیا۔

الف۔ باہمی دشمنی میں وضع حدیث

وضع حدیث کی اس صورت کا آغاز مسلمانوں کی گروہ بندی سے ہوا۔ ہر فرقہ اپنے اور اپنے اکابرین کے فضائل کے لیے احادیث وضع کرنے میں لگ گیا۔ سیاسی اور مسلکی برتری کے لیے احادیث وضع کی جانے لگیں۔ ان لوگوں نے جہاں اپنی جماعت کے فضائل پر احادیث وضع کیں وہاں دوسرے مسلک اور گروہ کو زیر کرنے کے لیے احادیث گھڑیں۔ وضع حدیث کا فتنہ بعد میں اہل اسلام کے مابین تفرقہ بازی اور فتنہ وفساد کو عروج پر پہنچانے کا باعث بنا۔ اسی بناء پر صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظام اس فتنہ سے کوسوں دور رہے۔ وضع حدیث کا ارتکاب کرنے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ باہر بیٹھ کر یہ لوگ مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور فساد برپا کرنے کے لیے جو سازشیں کرتے تھے۔ وضع حدیث ان فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ تھا۔

ب۔ خوارج کا وضع حدیث

خوارج کے وضع حدیث کی شہادتیں بہت کم دستیاب ہیں، اس لیے کہ ان کو اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اور اپنے موقف کو مدلل کرنے کے لیے حدیثوں کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ لیکن بعض نے ان کے بارے میں بھی لکھا دیا ہے۔ چنانچہ ابنِ لہیعہ نے بیان کیا کہ میں خوارج کے ایک شیخ سے ملا جو اس عقیدہ سے تائب ہو چکا تھا، اس کا قول نقل کیا ہے کہ احادیث دین ہیں، اس لیے احادیث کو اختیار کرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہمارا طریق یہ رہا کہ جب ہم نے کسی بات کو دین بنانا چاہا تو اس کے لیے حدیث بنالی۔ اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن عبدالکریم نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک خارجی نے بیان کیا کہ حدیث دین ہے، کس سے لے رہے ہو اس پر نظر رکھو۔ جب بھی ہم نے کسی امر کی خواہش کی اس کے لیے ایک حدیث بنالی۔ سیوطیؒ نے بھی اسی قسم کی بات نقل کی ہے۔ ان تینوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوارج نے بھی وضع حدیث سے کام لیا، لیکن ہمیں ان کے بارے میں کوئی واضح دلیل نہیں ملی۔ چونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کبیرہ کا مرتکب کافر و جہنمی ہے اور جھوٹ ان کے ہاں بھی کبائر میں سے ہے۔ اس لیے وضع حدیث کا پہلو ان کے بارے میں کمزور معلوم ہوتا ہے۔

اس پر بہت سی دلیلیں ہیں کہ خوارج کی بیان کردہ حدیثیں سچ ہوتی ہے۔ ابنِ تیمیہ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے۔ چنانچہ وہ روافض کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ہم خوارج کو تم سے بھی زیادہ برا مانتے ہیں، بایں ہمہ ان کو کذب کی تہمت

لگائیں، ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم نے ان کا بارہا تجربہ کیا ہے کہ وہ سچ بولتے ہیں اور سچ کی حمایت کرتے ہیں۔ انہوں نے جو حدیث بھی روایت کی ہے وہ سچ کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے لکھا۔

لَيْسَ فِيْ أَصْحَابِ الأَهْوَاءِ أَصَحُّ حَدِيْثًا مِنَ الْخَوَارِجِ۔[13]

"غلط مذہب رکھنے والے لوگوں میں خوارج سب سے زیادہ صحیح الحدیث ہیں۔"

ڈاکٹر مصطفی سباعی نے بھی یہی کہا ہے کہ خوارج کے بارے میں وضع حدیث کی تہمت زنادقہ کا فتنہ ہے، ان سے جھوٹ دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ وہ محتاط اور پاکباز تھے۔

۲۔زنادقہ کا وضع حدیث

اسلام نے کسریٰ و قیصر کی سلطنتوں کا تیاپانچہ کر دیا۔ ملوک و امراء جو اپنے ماتحت ٹکڑیوں پر حکومت کرتے تھے ان کی تمکنت و رعب کا خاتمہ ہو گیا۔ جو ان کو طرح طرح کے عذاب دیتے تھے، ان کی دولت اور زیادہ کمائی چھین لیتے۔ ان کی اولاد کو غلام بناتے، ان کے ماتحت ایک ایسا طبقہ تھا جو چاپلوسوں میں شمار ہو کر خواص کہلاتا۔ بادشاہوں کے علاوہ ان کی رعایا پر مظالم کرتا، ان کی رہی سہی پونجی کو بھی ہتھیاتا۔ غرض اس طبقہ کو ہر قسم کے مظالم کا شکار ہونا پڑتا۔ اسلام کے آتے ہی دلوں میں اس کی وقعت جاگزیں ہو گئی۔ یہ دبے دبائے لوگ اپنے نئے حکمرانوں سے نعمت آزادی کا مزہ چکھنے لگے۔ انسانیت کو ایک آبرو اور اعزاز جان گئے۔ دوسری طرف حکمرانوں کی وہ اکڑ ختم ہو گئی۔ ان کے مناصب کا کوئی وقار باقی نہیں رہا، گویا وہ دن ہوا ہوئے کہ خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے کا منظر ہر طرف تھا۔ اب ان کے ہاتھ میں وہ حرام کی دولت باقی نہ تھی جسے وہ اللے تللے خرچ کرتے۔ اس لیے کہ کمزوروں سے لوٹ کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ان کمزوروں کی زندگی کی قیمت بڑھ گئی تھی، انہوں نے اسلام کو گلے لگایا تھا۔ اس لیے کہ ظلم کی دیواریں گر چکی تھیں۔ ان میں جو لوگ پہلے سوسائٹی میں چھائے ہوئے تھے ان کا وزن کم ہو چکا تھا۔ اسے ان لوگوں نے برداشت نہیں کیا۔ اب ان کے پاس نہ مال تھا نہ فوج، نہ قوت کہ دوبارہ مسلمانوں کو مغلوب کرتے اور پھر اپنا سکہ چلاتے۔ اس لیے کہ اسلام کا دبدبہ، اس کا رعب، اس کی قوت مانع تھی، تو انہوں نے ایک دوسری رائے اپنے آپ کو دوبارہ قوی کرنے کی سوچی۔ وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو عقیدہ کی راہ سے ہٹا دو۔ اس کے لیے آسان ترکیب یہ تھی کہ حضور ﷺ کی طرف غلط باتوں کا انتساب کریں۔ جس کا مقصد محض یہ تھا کہ لوگ اسلام سے اور نبی کریم ﷺ سے دور ہوتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے عقائد، عبادات و افکار کے ذریعہ اسلام کا چہرہ بگاڑنا شروع کر دیا۔ اب یہ مختلف روپ میں نمایاں ہوئے، اپنے نام الگ الگ ناموں سے رکھے۔ اگرچہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے، یہ دھوکہ، فریب اسلام کی قوت کے سامنے بکھر کر رہ گیا۔ اسلام کا مقصد بلند اور صفاء عقیدہ جگمگاتا ہوا آفتاب تھا۔

یہاں ہم ان کے کالے کرتوتوں میں سے چند بطور مثال کے ذکر کریں گے جو انہوں نے پیروانِ اسلام کے لیے رچے تھے تاکہ اسلام سے محبت کرنے والوں کو اس سے بدکا دیں۔ ان میں سے یہ روایت بھی ہے کہ یہود کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آئی اور آپ ﷺ سے کہا کہ عرش کو کون اٹھائے ہوئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ شیروں نے اپنی سینگ پر اٹھار کھا ہے اور یہ کہکشاں جو آسمان پر نظر آرہی ہے بوجھ کی زیادتی سے نکلنے والا عرق ہے۔ یہود پکار اٹھے کہ آپ سچ کہتے ہیں آپ رسول ہیں۔ ابو القاسم بلخی نے کہا کہ یہ من گھڑت ہے، دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور قرآن نے اعلان کیا ہے کہ حاملین عرش فرشتے ہیں۔ جو دین محمد ﷺ کو نہ جانتا ہے نہ سمجھتا ہے اس طرح کی اکاذیب پر وہی ایمان لائے گا۔

زنادقہ اسلام کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوئے یہ لوگ کھلا جھوٹ بولتے۔ عبد الکریم بن ابی العوجاء نے اپنے قتل سے پہلے ان باتوں کا اعتراف کر لیا تھا کہ میں جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا اور یوں بیان کیا:

"بخدا میں نے تم میں چار ہزار حدیثیں گھڑیں جن میں حلال کو حرام بنایا اور حرام کو حلال۔
مہدی نے بیان کیا کہ زنادقہ میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور اقرار کیا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑیں جو عام چلن بازار ہیں۔"

حماد بن زید فرماتے ہیں کہ زنادقہ نے بارہ ہزار حدیثیں رسول اللہ کے خلاف گھڑیں ہیں اور انہیں لوگوں میں پھیلایا، ایک روایت میں ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں گھڑیں اور پھیلائیں۔ مگر اللہ بھلا کرے ان علمائے علم حدیث کا جنہوں نے ان حدیثوں کی نشاندہی کر کے دین محمد ﷺ کا چہرہ بگڑنے نہیں دیا۔

۳۔ قومیت اور امامت کے لیے وضع حدیث

امویوں نے حکومت کے کاروبار کو چلانے کے لیے محض عربوں کو ہی حصہ دار بنایا اور عرب و عربیت کا تعصب سب سے پہلے انہوں نے ابھارا۔ بعض عربوں نے دنیا کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کو ایک ایسے زاویہ نظر سے دیکھا جو روح اسلام سے کسی طرح موافق نہ تھی۔ چنانچہ موالی یعنی وہ مسلمان جو عرب کے علاوہ علاقوں کے رہنے والے تھے، انہوں نے اس علیحدگی پسندی کو بھانپ لیا۔ وہ یکسانیت و مساوات کے طالب تھے جو عربوں اور موالی میں قائم رہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ امویوں کے خلاف شورش بغاوت اٹھتی رہی اور یہ موالی ان کے ساتھ ہمدردی یا دلچسپی رکھتے، ادھر عربوں میں اپنی عزت، فخر و نمائش کا بھوت سوار تھا۔ دوسری طرف اس حالت نے غیر عرب لوگوں کو ایسی احادیث گھڑنے پر ابھارا جس سے ان کی قدر افزائی ہو اور ان کے فضائل میں اضافہ ہو، مثلاً یہ حدیث کہ جو لوگ عرش کے ارد گرد ہیں اُن کی زبان فارسی ہے۔ یا یہ کہ خدا جب کوئی نرم بات اتارنا چاہتا ہے تو فارسی زبان میں وحی فرماتا ہے اور جب کوئی سخت بات نازل کرنی ہوتی ہے تو عربی زبان میں وحی فرماتا ہے۔ اب کیا تھا فارسی کے مخالفین نے اس کے مقابل

دوسری حدیثیں گھڑیں۔ خدا کو سب سے زیادہ ناپسند زبان فارسی ہے کیونکہ یہ شیطان کی زبان ہے۔ اہل جہنم کی زبان فارسی ہے، اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ یا یہ حدیث: سوڈانیوں کی بات نہ کرو، ان کی سیاہی حرام خوری و بدکاری کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح بعض قبائل عرب کی فضیلت کی حدیثوں کا تعلق بھی اسی عصبیت سے ہے۔ یہ ساری وباء یزید بن معاویہؓ کی موت کے بعد دور اموی میں پیدا ہوئی۔ جس طرح نسل و قبائل کی فضیلت میں حدیثیں گھڑی گئیں، شہروں اور اماموں کی فضیلت میں بھی وضع حدیث کا چلن ہو گیا۔ پھر ایک تحریک جس میں دولت اسلامی کے مراکز مختلف شہروں میں منتقل کئے جانے لگے اس سے شہروں اور ائمہ کی تفضیل کے سلسلے میں وضع احادیث کا بازار گرم ہوا۔

ائمہ کے تفضیل کے سلسلہ میں جو عصبیت سامنے آئی وہ تیسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ یہ عیب بھی بے علم پیروکاروں کا پیدا کردہ ہے۔ اسی تفضیل کی وجہ سے ان ائمہ کی قیام گاہوں کی تفضیل و تنقیص کی حدیثیں بنائی گئیں، مثلاً یہ کہ چار شہر جنت کے شہروں میں ہیں: مکہ، مدینہ، بیت المقدس اور دمشق۔

۴۔ واعظین کا وضع حدیث

خلافت راشدہ کے آخری دور میں واعظین و قصہ گویوں کی مجلسیں جمنا شروع ہو گئیں اور خلافت راشدہ کے بعد تمام ممالک اسلامیہ کی مساجد میں ان کے حلقے اور مجالس روزمرہ کا معمول بن گئیں۔ واعظین کا مقصد اکثر اپنا بھاؤ بڑھانا ہوتا، لوگوں کا کثیر مجمع جمع کرنا ہی ان کی زندگی بن گئی، ظاہر ہے مجمع اکٹھا کرنے کے لیے ایسی باتوں کی ضرورت تھی جن سے ان کے دلوں میں اثر پیدا ہو۔ اس اثر انگیزی کے لیے حدیثیں وضع کی جاتیں تاکہ ان کی جانب میلان پیدا ہو۔ لوگوں کے دلوں میں گداز پیدا ہو۔ اب کیا تھا، جھوٹی حدیثوں کا سلسلہ ان مجالس میں جاری ہوتا، جس پر واہ واہ کے علاوہ واعظین کی آؤ بھگت اور ان کی اقتصادی و مالی آسودگی کا بھی سامان ہوتا، سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ یہ مجمع اسے خیر جانتا اس میں کوئی برائی اور گناہ نظر نہیں آتا۔

سننے والوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف سنتے ہی نہ تھے بلکہ اس جھوٹ بولنے یا اس جھوٹ کی مدافعت بھی کرتے، یہ عوام کسی دلیل و بحث سے کسی کی سنتے ہی نہ تھے۔ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے کہ اس کی شاخوں سے ملبوسات زر تار نکلیں گے اور جڑوں سے ابلق گھوڑا، جس پر سونے کا جڑا نمدا ہو گا۔ موتی و یاقوت کی لڑی سے لگام بنی ہو گی، نہ پیشاب کرے گا نہ پاخانہ، اسی گھوڑے پر اولیاء اللہ بیٹھ کر جہاں چاہیں گے اڑتے پھریں گے۔

علمائے رجال نے ان واعظین کی دھجیاں بکھیر دیں، ان کے جھوٹ کو کھول کر رکھ دیا۔ واعظین کے مریدین اٹھے اور انھیں اذیت پہنچائی۔ اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو بڑی اذیتوں اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ چنانچہ روایت میں

ہے کہ امام شعبیؒ نے کسی واعظ کی بیان کردہ حدیث کا بلاد شام میں انکار کیا، پھر کیا تھا عوام پل پڑے اور شعبیؒ کی بری طرح مرمت کی تا آنکہ شعبیؒ نے کہا کہ شیخ نے جو کہا ہے سچ ہے۔ اسی وجہ سے محدثین اپنے شاگردوں کو ان سے ملنے اور ان کی مجلسوں میں جانے سے روکتے تھے۔

ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ احادیث کو تباہ و برباد کرنے والے واعظین ہیں۔ بجز واعظین کے علم حدیث کو کسی نے بھی فنا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان علمائے رجال کو جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا، سچ اور جھوٹ آنکھوں کے سامنے آگیا۔[14]

۵۔ جذبہ خیر وصلاح دین کے لیے وضع حدیث:

فتنوں کے پیدا ہونے کے بعد جب سیاسی مذہبی فرقوں کی بہتات ہوئی تو فرق باطلہ کے ماننے والوں نے اپنے مذہب کی تائید میں حدیثوں کو گھڑنا شروع کیا، تاکہ ان کے رہنما قائدین کی عظمت میں اضافہ ہو اور ان کے مخالفین کی قیمت کم ہو جائے۔ اس میں کچھ صالح، تارک دنیا، عبادت گزار بھی گرفتار تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے امت مسلمہ کا نفاق و شقاق دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں کو دین سے قریب کرنے کے لیے حدیثیں گھڑنی شروع کیں، تاکہ کسی کی بے قدری نہ ہو اور انتقام و مقابلہ کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ انہوں نے دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا خوف ان حدیثوں کے ذریعہ دلانا شروع کیا۔ تاکہ خوف خدا پیدا ہو کر یہ انشقاق وافتراق ختم ہو جائے۔ انہوں نے ترغیب و ترہیب کی حدیثیں وضع کیں جن کا مقصد دین کو نفع پہنچانا تھا۔ اصل میں دین سے ناواقفیت ہی اس داعیہ کا باعث بنا۔ مگر اس سے بجائے نفع کے نقصان ہی ہوا۔ ان لوگوں نے دھڑلے سے حدیثیں وضع کیں۔ جب ان کو "من کذب علی متعمدا" والی حدیث یاد دلائی جاتی تو یہ کہتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اوپر کذب نہیں کر رہے بلکہ ان کے لیے کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ بظاہر صالح متقی تھے اس لئے عوام کو بڑا دھوکا ہوا، انہوں نے ان کی غلط باتوں کا انکار کرنے کی بجائے اقرار و توثیق ہی کی، اس طرح یہ لوگ اور بھی دین کے لیے مصیبت ثابت ہوئے۔ بلکہ دوسرے مضرین سے بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اس لیے کہ ان کو لوگ صلاح زہد و تقویٰ کی خوبی کے ساتھ جانتے اور بوجھتے تھے۔ کوئی عامی ایسوں کے جھوٹ بولنے کا جلدی قائل نہیں ہو سکتا۔

محمد بن یحییٰ بن سعید قطانؒ اپنے والد کی بات روایت کرتے ہیں کہ:

"صالحین کو دیگر چیزوں کے مقابلہ حدیث میں زیادہ جھوٹا پایا"۔[15]

ابو عاصم النبیلؒ فرماتے ہیں کہ زاہد آدمی کو دیگر چیزوں کے مقابلہ حدیث میں زیادہ جھوٹا پایا۔ یحییٰ بن سعید قطانؒ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے خیر و زہد سے متعلق چیزوں میں ایسے ہی شخص کو سب سے زیادہ جھوٹا پایا۔[16]

٦۔ مذہبی اور کلامی اختلافات:

جس طرح سیاسی ٹولیوں نے اپنی رائے کو اور اپنی جماعت کو حدیث گھڑ کے مضبوط بنایا، بالکل اسی طرح فقہی مذاہب و مذاہب کلامیہ کے پیرو بھی اپنے مذاہب کی تائید میں احادیث گھڑتے رہے۔ ان میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ محمد بن عکاشہ کرمانی سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ اپنے ہاتھ رکوع میں اور رکوع سے اٹھتے ہوئے اٹھاتے ہیں، اس پر انہوں نے حدیث بیان کی کہ مسیب بن واضح نے انس سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو رکوع میں اپنے ہاتھ اٹھائیں ان کی نماز نہیں ہو گی۔ یا یہ حدیث کہ آسمان و زمین جو کچھ ہے وہ مخلوق ہے، بجز قرآن کے اور خدا کے۔ میرے بعد ایک امت آئے گی جو کہے گی کہ قرآن مخلوق ہے۔ جو اس بات کا قائل ہوا، اس نے کفر خدائے عظیم کیا، اس کی عورت مطلقہ ہو گئی وغیرہ۔ ان احادیث کے الفاظ ہی ان کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہیں۔ زہیر بن معاویہ کی روایت بھی اسی کے قریب ہے کہ جس میں انہوں نے کہا کہ محرز ابو رجاء نے بیان کیا، جو پہلے قدری تھا، پھر بعد کو تائب ہو گیا تھا، اس نے کہا کہ قدریہ سے کبھی حدیث نہ لینا، اس لیے کہ ہم اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے حدیث گھڑتے تھے، اس طرح چار ہزار قدری بتائے۔

٧۔ حکام کی قربت وغیرہ:

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ خلفائے بنو امیہ سے تقرب کے لیے علمائے حدیث یا غیر علمائے حدیث نے باوجود ان کے حدیث کی طرف رغبت کے وضع حدیث سے کام لیا ہو۔ بعض ریاکاروں نے اس قسم کی حدیث بیان کر کے حکام کو راضی کر لیا ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ عملاً اس کا حدوث دور عباسی میں ہوتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ حکم نے بسند ہارون بن ابو عبید اللہ روایت کیا ہے کہ مہدی نے کہا کیا تو نے ملاحظہ کیا کہ مقاتل میرے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ پسند کریں تو خلفائے بنو عباس کی فضیلت میں احادیث وضع کر دوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

غرض یہ وہ اسباب وضع حدیث ہیں جن کو علمائے حدیث و رجال نے بڑی خوبی اور تفصیل سے بیان کر کے ان کی بیخ کنی کی ہے۔

فتنہ انکار حدیث اور اس کا تدارک:

علمائے امت نے ہر دور کے منکرین حدیث کا عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا۔ فتنہ ء انکار حدیث کے تدارک کے لیے ان کے ہر اعتراض و سوال کا جواب دیا۔ جتنا انہوں نے حدیث کا انکار کیا حدیث اتنی ہی نکھری۔ منکرین کے چند اعتراضات اور انکار د پیش خدمت ہے۔

اعتراض:

سوال یہ ہے کہ اگر کوئی قول نبی ﷺ قرآن کے خلاف ہو یعنی قرآن سے کسی چیز کا جواز نکلے اور نبی کے قول سے عدم جواز یا نبی ﷺ کا قول قرآن سے زائد ہو یعنی قرآن میں اختصار ہو اور نبی کے قول میں تفصیل ہو یا قرآن میں مذ کور ہی نہ ہو صرف نبی کے قوال میں مذکور ہو تو ایسی صورت میں نبی کا قول حجت ہے یا نہیں۔

ردّ:

ہر صورت میں نبی ﷺ کا قول حجت ہے۔ نبی ﷺ کا قول مستقل حجت ہے۔ غیر مشروط حجت ہے۔ نبی ﷺ کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تب تو حجت رہے اور مطابق نہ ہو تو حجت نہ رہے۔ یہ شرط غیر نبی ﷺ کے لئے ہے کہ اگر غیر نبی کا قول قرآن کے مطابق ہے جو بلاشبہ ہر غیر نبی ﷺ کا قول بھی حجت ہے۔ اگر مطابق نہیں ہے تو کسی غیر نبی ﷺ کا قول حجت نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح قرآن کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہماری عقل کے مطابق ہو تو حجت ہو اور ہماری عقل کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔ اسی طرح نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تو حجت ہو اور قرآن کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا حجت ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ منِ جانب اللہ ہے۔ صرف من جانب اللہ ہونا قرآن کے حجت ہونے کی وجہ ہے۔ اور معجزہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ لہذا نبی اور نبی کا قول بھی معجزہ کے بعد من جانب اللہ ہو گیا۔ اور من جانب اللہ ہونا ہی حجت ہے۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اور قول نبی من جانب اللہ ہے۔ اور ہر وہ شئے جو من جانب اللہ ہے قابلِ عمل اور حجت ہے۔ لہذا نبی اور قولِ نبی حجت ہے عمل کے لیے۔ نبی کا قول قول الٰہی ہے۔ اور مِن جانب اللہ ہے۔ اس آیت سے بھی ثابت ہے۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ [17]

"کہہ دے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کر دوں میں تو صرف وحی کا پیروہوں"۔

صاف ظاہر ہو گیا کہ نبی کا قول وحی ہے۔ قولِ الٰہی ہے۔ من جانب اللہ ہے۔ حدیث من جانب اللہ ہونے کی حیثیت سے حجّت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ قول رسول قرآن کے خلاف ہو تو وہ بھی حجت ہے۔ اس کی دلیل قرآن میں یہ ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ۔ [18]

"تم پر لکھ دیا گیا ہے اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا، جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچے، اگر اس نے کوئی خیر چھوڑی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔ [19]

"وارث کے لئے وصیت نہیں ہے"۔

تواتر سے ثابت ہے کہ عمل اِسی حدیث پر رہا ہے یعنی وارث کے لئے وصیت ناجائز قرار دی گئی۔ حدیث سے قرآن کی آیت کو منسوخ کر دیا اور قولِ رسول قرآن کی آیت کے خلاف حجت اور موجب عمل رہا۔ اور اس حدیث کا موجب عمل اور حجت ہونا تواتر سے ثابت ہے، نیز اکثر دینی مسائل کا ثبوت قرآن سے نہیں حدیث سے ہے۔ لہذا قولِ رسول مستقل اور غیر مشروط حجت ہے، اور ایسے ہی اجماع بھی غیر مشروط حجت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُوْلِی الْاَمْرِ کا عطف رسول پر ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ [20]

"رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں"۔

اب اگر کہا جائے کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول کا کوئی قول قرآن کے خلاف ہو اور رسول کا قول قرآن کو نسخ کر دے تو پہلے یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ رسول کا قول اس کا اپنا قول نہیں ہوتا۔ وہ درحقیقت اللہ کا قول ہوتا ہے۔ جس طرح قرآن اللہ کا قول ہے۔ اسی طرح رسول کا قول بھی اللہ کا قول ہے۔ اور جس طرح قرآن کی ایک آیت قرآن کی دوسری آیت کو منسوخ کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ کا ایک قول یعنی قولِ رسول دوسرے قول یعنی قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے۔ استعجاب کا باعث صرف یہ ہے کہ رسول کے قول کو رسول کا قول سمجھا جا رہا ہے۔ رسول کے قول کو بشر کا قول سمجھا جا رہا ہے۔ یاد رکھو رسول کا قول اللہ ہی کا قول ہے۔ دلیل اللہ کا یہ قول ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ [21]

"وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا اس کا بولنا صرف وہ وحی ہے جو اس پر کی گئی ہے"۔

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ دین میں نبی کا ہر قول وحی ہے۔

اعتراض:

نبی کی طرف بے حیائی کی نسبت، جھوٹ کی نسبت غیر معقولیت کی نسبت، ناواقفیت کی نسبت جن احادیث سے ظاہر ہو۔ اُن احادیث کو ان نقائص کی بنا پر حدیث رسول سے خارج کر دینا چاہئیے یا نہیں۔ جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تین جھوٹ بولے اور جیسا کہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ملک الموت کے تھپڑ مارا اور جیسا کہ کھجور کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ زیادہ پھل آئے گا۔ اور زیادہ پھل نہیں آیا۔ ان احادیث سے جھوٹ، نامعقولیت اور ناواقفیت نبی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

ردّ:

محض ان نسبتوں سے حدیث نا قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

ابراہیم خلیل اللہ کی طرف جو جھوٹ کی نسبت ہے اس نسبت سے بھی حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر اس نسبت سے حدیث کو خارج کیا جائے گا۔ تو قرآن کو بھی خارج کیا جائے گا۔ فرمایا:

جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ [22]

"یوسفؑ نے اپنے بھائی کے سامان میں پانی پینے کا برتن رکھ دیا"۔

اور پھر یہ کہلوا دیا کہ تم چور ہو۔

ظاہر میں یہ فعل جھوٹ سے بھی بدتر ہے۔ اور فرمایا۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ [23]

"یوں ہم نے یوسف کو یہ تدبیر سکھائی"۔

بہر حال قرآن میں یہ نقص نبی کی طرف منسوب ہے۔ تو چاہیئے کہ اس آیت کو قرآن سے نکال دیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ملک الموت کے تھپڑ مارا۔ یہ بھی خلافِ عقل اور غیر معقول نہیں ہے کہ جب انسان کی فرشتہ سے ہم کلامی مان لی جو بظاہر غیر معقول ہے تو پھر ہاتھا پائی ماننے میں کیا غیر معقولیت ہے۔ دونوں ایک ہی وجہ کی باتیں ہیں۔ یعنی جو شخص کسی سے بات چیت کر سکتا ہے وہ اس کو تھپڑ بھی مار سکتا ہے۔

نیز اللہ نے فرمایا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ [24]

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم کو شعور نہیں۔"

شہید کو زندہ کہنا عقل ہی کے خلاف نہیں بلکہ حس کے بھی خلاف ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کہا اور مزید تاکید کر دی کہ تم بے حس ہو بے شعور ہو۔ تم کو پتہ نہیں۔ شہید کی زندگی قطعی عقل میں نہیں آتی۔

تو اگر حدیث کا خلاف عقل ہونا حدیث کو خارج کر دیتا ہے۔ تو قرآن کا خلاف عقل ہونا قرآن کو خارج کر دیتا ہے۔ یعنی جو اعتراض حدیث پر ہے بالکل وہی اعتراض قرآن پر ہے اور جس طرح قرآن پر اعتراض قرآن کو قرآن ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح حدیث پر اعتراض حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اور کھجور کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا ویسا نہیں ہوا تو یہ بالکل قرآن کے مطابق ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۔ [25]

"اور کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہا کرو کہ کل اس کو کروں گا"۔

جیسا روح اور ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کے سوال کے موقع پر حضور نے کہہ دیا تھا کہ کل جواب دے دوں گا۔ اور پھر کل جواب نہیں دیا۔ اس آیت سے وہی بات ظاہر ہو رہی ہے جو حدیث سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اور جس طرح یہاں پر یہ بات نبوت کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح وہاں بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔ اس سارے بیان کا حاصل یہ ہے کہ حدیث پر جتنے اعتراضات ہیں اسی نوعیت کے اعتراضات قرآن پر وارد ہوتے ہیں۔ تو جس طرح قرآن کو قرآن ہونے سے ان اعتراضات کی بنا پر خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ان اعتراضات کی بنا پر حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

اعتراض:

جب کہ یہ ثابت ہو چکا کہ قول رسول ﷺ حجت ہے اور احادیث شرعاً حجت ہیں اور دین یا دین کا جز ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح قرآن کو لکھوا کر قوم کو دے دیا اسی طرح احادیث کے مجموعہ کو بھی لکھوا کر دینا چاہئیے تھا۔ لکھوا کر کیوں نہیں دیا؟

ردّ:

احادیث کے مجموعہ کو اس لئے نہیں لکھوا کر دیا کہ احادیث کا مجموعہ وحی غیر کتاب ہے۔ کسی زمانے کے نبی نے وحی غیر کتاب کو لکھ کر نہیں دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ۔[26]

"اور وحی کی گئی نوحؑ کی طرف"۔

اور اس وحی کے متعلق تمام واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا۔[27]

"تو اور تیری قوم اس سے پہلے ان واقعات کو نہیں جانتے تھے"۔

نبی کی قوم سارا عالم ہے۔ اور جب کہ سارا عالم حضرت نوح والی وحی سے ناواقف ہے تو ضرور بالضرور وہ وحیاں جو غیر کتاب تھیں وہ لکھی نہیں گئیں۔ اگر لکھی جاتیں تو یہود یا نصاریٰ کوئی نہ کوئی قوم ان لکھی ہوئی وحیوں پر مطلع ہوتی۔ احادیث میں تو زیادہ تر اعمال کا ذکر ہے۔ اعمال ایسی چیزیں ہیں کہ وہ پڑھنے پڑھانے سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔ اعمال تو کرنے کی چیز ہیں۔ اس لئے عمل کو نہیں لکھوایا بلکہ عمل کی مشق کرادی۔ عمل کو یاد کرانا یا پڑھوانا لکھوانا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل کو تو کرانا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث پر عمل کرایا اور اس کی مشق کرادی فرمایا۔

صَلُّوْا كَمَا رَاَءْیتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔

"جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔"

یعنی عمل کی مشق کرائی۔ یہ نہیں کہا کہ صرف اس حدیث کو یاد کر کے لکھو لیکن بعد میں زمانہ ایسا آیا کہ بد عملی بڑھی تو نصیحت کی باتیں جن لوگوں کو یاد تھیں انھوں نے لکھ لیں تاکہ نصائح مفقود نہ ہو جائیں۔

قرآن میں قصص اولین اور جملہ عقائد ہیں وہ یاد نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے اُن کو لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ رسول ﷺ نے قرآن کو لکھوا کر دیا تو یہ لکھ کر دینے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں ہے۔ جہاں ہے "اتل ما اوحی"، "پڑھ جو وحی کی گئی"، "واذاقرء القران فاستمعوا له"، "جب قرآن پڑھا جائے تو سنو"۔ کہیں یہ نہیں کہ قرآن کو لکھو، پھر جو نبی ﷺ نے قرآن کو لکھوا کر دیا یہ کس وجہ سے دیا، یا تو وحی کے ذریعہ ان کو حکم ہوا کہ قرآن لکھوا دو۔ اگر ایسا ہے تو وحی غیر قرآن اور وحی غیر متلو ثابت ہو گئی۔ اور اگر بغیر وحی کے کیا تو ان کی رائے حجت ہو گئی۔ لہٰذا ان کی رائے سے قرآن لکھا گیا اور انہی کی رائے سے حدیث نہیں لکھی گئی۔ دونوں جگہ ایک ہی چیز کار فرما ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بھی وحی ہوئی کہ قرآن لکھوا دو اسی طرح یہ وحی ہوئی کہ حدیث نہ لکھواؤ تو بیشک ذاتی رائے یہ بھی ہوئی کہ حدیث نہ لکھواؤ۔

اعتراض:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔[28]

"بلاشبہ ہم نے نصیحت نازل کی اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

ظاہر ہے کہ قرآن محفوظ ہے اور حدیث محفوظ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے بس وہی چیز دین ہے اور وہ چیز محفوظ ہے۔ حدیث چونکہ محفوظ نہیں ہے اس لئے نہ اللہ اس کا محافظ ہے نہ وہ ذکر ہے نہ دین۔

ردّ:

اللہ تعالیٰ نے ذکر یعنی نصیحت کی حفاظت کا وعدہ کیا، وہ اس وعدہ میں سچا ہے وہ ذکر اور نصیحت کا محافظ ہے اور ذکر قرآن و حدیث دونوں میں ہے۔ لہٰذا دونوں محفوظ ہیں۔ قرآن بھی محفوظ اور حدیث بھی محفوظ ہے۔ بلکہ قرآن کے حافظ نسبتاً کم ملیں گے اور حدیث کے معانی کے حافظ ساری قوم ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مسواک سُنت ہے۔ عید کے دن روزہ حرام ہے۔ زنا کی سزا رجم ہے۔ صبح کی نماز کی دو سنتیں ہیں۔ ظہر کی چھ سنیتں۔ قبر میں نکیرین سے سوال جواب ہو گا۔ عذاب قبر، ثواب قبر حق ہے۔ غرضیکہ معاملات اور عبادات کے جو طریقے حدیث نے بتائے ہیں۔ وہ ہر جاہل اور

عالم کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ اللہ کا وعدہ سچّا ہے۔ اس نے دین کو محفوظ کر دیا ہے۔ ہر شخص حافظ سنّت ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ حدیث غیر محفوظ ہے بالکل غلط ہے۔ حدیث عملاً محفوظ ہے۔ قرآن تلاوتاً محفوظ ہے۔

فتنہء وضع حدیث اوراس کا تدارک

وضع حدیث:

حدیث گھڑنے والوں نے تو دین اسلام کو عظیم خطرہ سے دوچار کر دیا تھا۔ اپنے جھوٹ سے انھوں نے اسلام کا چہرہ بگاڑ دیا تھا۔ اسلام میں جن تعلیمات کا کوئی وجود نہ تھا بری طرح داخل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر اللہکو یہ دین محفوظ رکھنا تھا، اس نے ان حالات میں اسلام کی حفاظت کی، اس کو تحریف و تبدیل ہونے سے بچالیا۔ رسول اللہ ﷺ کے کلام کو اہل ہوا و بدعت کی سواری نہیں بننے دیا۔ امت کو وہ علماء عطا کئے جنھوں نے مخلصین اور امانت رسول کی رکھوالی کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر دی، جس نے ان بدخواہاں سنت نبی کریم ﷺ کے بخیے ادھیڑ دیئے۔ جھوٹ اور سچ کو الگ کر دکھایا۔ اللہ کا کرم ہے کہ صحابہ و تابعین اور علمائے امت نے ایسی عظیم خدمات انجام دیں ورنہ دین کا ایک بڑا حصہ لوگوں کی نظر میں مشکوک ہو کر رہ جاتا۔ اس لیے کہ حدیث گھڑے والے کذابین نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور نبی کریم ﷺ کی طرف بہت سی غلط باتیں محض اپنی قیمت بڑھانے کے لیے منسوب کر دیں۔ جن لوگوں کو اللہ نے نظر عطا کی ہے انھوں نے ان علماء کی کوششوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور ان کی کوششوں کی قدر کی۔ ان کا سلسلہ ابتداء عصر صحابہ سے اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ فن حدیث پوری طرح مدون ہو کر نہ آ گیا۔ انہوں نے واضعین کے تمام کالے کرتوتوں کا بھانڈا پھوڑ دیا اور سنت نبی کریم ﷺ کی ایسی تنقیح کی کہ احکام شریعت اور نکھر کر سامنے آ گئے۔

وضع حدیث کا تدارک

اب ہم ان کاوشوں کا مختصر ذکر کریں گے جو علماء نے حفاظتِ حدیث کے لیے کیں۔ حدیث نبوی ﷺ کے ہر ہر رخ کی جانچ و پرکھ روایتاً و درایتاً دونوں اعتبار سے کی اور حدیث کو بڑے خطرات سے بچالیا۔

ا۔ سند حدیث کا التزام

آغاز اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے عہد سے لے کر شہادتِ عثمانؓ تک کوئی نہ جھوٹ بولتا نہ کسی کو جھٹلاتا، بلکہ ان کے دلوں میں وثوق بھرا ہوا تھا۔ ایمان سے ان کے قلوب معمور تھے، تا آنکہ فتنہ نے آنکھ کھولی، فرقے اور ٹولیاں بننے لگیں، اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کا آغاز ہو گیا۔ ان واقعات کو صحابہ نے حفاظت حدیث کے لیے ایک فتنہ سمجھ کر احادیث کی سند پر سختی کی، اس کی جانچ شروع ہوئی، رواۃ کے بارے میں معلومات حاصل کی جانے لگیں، اس لیے کہ سند کسی کے لیے اسی درجہ ضروری ہے جس طرح صحت نسب کسی انسان کے لیے ضروری ہے۔ اس سلسلے میں امام ابنِ سیرینؒ کی بات نہایت اہم ہے۔ فرماتے ہیں: "عہدِ اول میں کوئی سند حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرتا تھا، لیکن فتنہ

عثمانؓ کے بعد رواۃ کے سلسلہ میں چھان بین ہونے لگی، اگر وہ اہل سنت ہوتے تو ان سے حدیث روایت کی جاتی اور اگر اہل بدعت ہوتے تو ان سے حدیث روایت نہ کی جاتی[29]"

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صحابہؓ و تابعینؒ فتنہ سے پہلے سند کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ قاعدہ یہ تھا کہ بعض وقت تو روایت مع سند بیان کی جاتی اور بعض وقت اس کو دوسرے بیان کرنے والے نظر انداز کر دیتے، اس لیے کہ ان کی امانت اخلاص وسچائی کانٹے کی چیز تھی۔ عربوں میں سند کا رواج اسلام سے پہلے بھی تھا اسلام کے آنے ہی کی وجہ سے اسناد کی طلب و تقاضا نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ جاہلیت میں اشعار و قصص سند سے بیان کرتے تھے۔ اسناد کا یہ التزام صغار صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کے دور میں مروج ہوا۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے بسند متصل بیان کیا ہے کہ "بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ابن عباسؓ نے بشیر کی حدیث کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ اس پر اس نے کہا کہ ابن عباسؓ! "کیا ہو گیا کہ میں حدیث رسول ﷺ بیان کر رہا ہوں اور آپ اسے سن نہیں رہے ہو؟" ابنِ عباسؓ نے جواب دیا کہ ایک وقت تھا جب ہم قال رسول اللہ ﷺ سنتے تھے تو ہماری آنکھیں اور کان سب اس کے لیے بیتاب ہو جاتے تھے۔ پھر جب لوگ رطب و یابس کے عادی ہو گئے تو اب ہم صرف معروف چیزوں ہی کو لیتے ہیں۔

اس کے بعد تابعینؒ نے اسناد کے ذکر اور اس کے التزام کو ضروری قرار دیا۔ چنانچہ ابن عبد البرؒ نے شعبیؒ سے، انہوں نے ربیعؒ بن خیثم سے بیان کیا کہ "جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور کسی کو خدا کا شریک نہ گردانا، اسی کے لیے ملک اور تعریف کا اثبات کیا کہ وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت سے آشنا بناتا ہے، اگر یہ کلمہ دس مرتبہ کہے تو اس کو کئی غلام یا صرف ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا"۔[30]

شعبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے فوراہی ربیعؒ بن خیثم سے دریافت کیا کہ اس حدیث کا راوی تم سے کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ عمرو بن میمون الأزدی۔ میں عمروؒ بن میمون کے پاس حاضر ہو اور ان سے دریافت کیا کہ آپ سے اس حدیث کو روایت کس نے کیا؟ انہوں نے کہا کہ عبد الرحمٰنؒ بن ابی لیلیٰ نے۔ میں ابن ابی لیلیٰؒ قاضی بصرہ و کوفہ کی خدمت میں آیا اور ان سے دریافت کیا آپ نے یہ حدیث کس سے سنی؟ انہوں نے کہا کہ ابو ایوب انصاریؓ صحابی رسول ﷺ سے۔ یحیٰ بن سعیدؒ نے کہا کہ سند کے بارے میں تفتیش کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ شعبہؒ کہتے ہیں کہ ہم قتادہ کی مجلس میں ہوتے، کوئی بات آجاتی تو میں سند دریافت کرتا تو جو بڑے لوگ ان کے ہم نشیں ہوتے، بول پڑتے کہ میاں قتادہؒ خود سند ہیں۔ میں خاموش رہتا مگر میری حاضری اکثر ہوا کرتی۔ جب بھی کوئی بات آتی مجھے یاد ہو جاتی تھی۔ قتادہؒ نے جب میرا مرتبہ پہچان لیا تو پھر مجھ سے سند بیان کرنے لگے۔ اس طرح اسناد متصل نے دھیرے دھیرے اپنا مقام پا ہی لیا اور محدثین کی عنایت و اہتمام نے عہد تابعین میں وہ دن بھی دکھائے کہ محدثین نے روایت بیان کرتے وقت پوری سند کا ذکر کرنا

اپنے لیے فرض کر لیا۔ چنانچہ بعض محدثین اس مسئلہ میں اتنی شدت برتتے کہ حدیث بلاسند کو ایسا مکان جس میں نہ چھت ہو نہ ستون سے تشبیہ دیتے۔ جس کو بعضوں نے شعر میں اور بھی واضح کر دیا ہے۔

وَالْعِلْمُ اِنْ فاتَهُ اِسْنَا دُ مُسْنَدِهِ كَا لْبَيْتِ لَيْسَ لَهُ سَقْفٌ وَلَا طُنُبُ

"بلاسند کی حدیثیں ایسی ہیں جیسے گھر، کہ جس میں سر چھپانے کو نہ چھت نہ ستون"[31]

محدث حدیث کو سند کے ساتھ بیان کر کے بہر حال اپنا مقام بلند کر لیتا ہے اور رسول خدا ﷺ تک بات کے سچ ہونے کے بارے میں اسے دلی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ حدیث کی چھان بین کیلئے جدوجہد میں اضافہ:

اللہ تعالیٰ کا کرم بے پایاں ہے کہ اس نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو تمام ملکوں اور شہروں میں مختلف ضرورتوں کے پیش نظر پھیلا دیا۔ ان صحابہ میں سے بعض نے عمر دراز پائی جس سے انہوں نے سنت کی حفاظت میں اور فتنہ کو دبانے میں بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ اس طرح ان سے شر پسند طبقہ کا (جس نے رسولِ اللہ ﷺ پر افترا اور جھوٹ باندھنے میں کوئی جدوجہد باقی نہیں چھوڑی) قلع قمع کرنے میں بڑی مدد ملی۔ طالبین علمِ رسول، صحابہ سے حدیثیں سنتے، اگر صحابہ کے سوا کسی اور سے وہ حدیث سنتے تو جو صحابی بھی ان کے ارد گرد علاقوں میں مقیم ہوتا یا بطور مسافر کے مل جاتا تو اس سے ملکر وہ سنی حدیثوں کی تصحیح کر لیتے۔ اس طرح کھرے اور کھوٹے کی تمیز ابتدا ہی میں ہو جاتی۔

طالبین حدیث کی ایک بڑی جماعت سفر کر کے صحابہ تک پہنچتی، اس کے لیے دشوار گزار راستے، جنگل و بیابان کا سفر طے کرتی تاکہ تابعی سے سنی ہوئی حدیثوں کی تائید و تصحیح عمل میں لائی جاسکے۔ ابو العالیہؒ کا قول ہے کہ ہم حدیث رسول اکرم ﷺ بصرہ میں سنتے تو جب تک کہ مدینہ پہنچ کر اس کی مزید تصدیق نہ کر لیتے دل مطمئن نہ ہوتا۔ اس لئے ہم سفر کرتے، مدینہ پہنچ کر ان صحابہ سے بالمشافہ سنتے تو تسکین ہوتی۔ خود صحابہ بھی لوگوں سے حدیث بیان کرتے، سنت کی اشاعت کے لیے سفر کرتے۔

تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں یہ اسفار بڑے پیمانے پر ہونے لگے، تاکہ وہ ثقات سے حدیث کو حاصل کریں۔ سنی ہوئی حدیثوں کا مذاکرہ کر کے صحیح طور پر یاد رکھ سکیں۔ ابو درداءؓ سے دمشق جا کر حدیث سننے کے لیے بہت سے تابعین آمادہ ہوئے۔ جس طرح کہ ابن شہاب زہریؒ نے عطاء بن یزیدؒ، ابنِ محیریزؒ اور ابن حیوہؒ کی خدمت میں شام پہنچ کر حدیث اخذ کی۔ یحییٰ بن کثیرؒ نے مدینہ کا سفر کیا تاکہ صحابہ کی اولاد میں جو لوگ رہ گئے ہیں ان سے مل کر حدیثیں حاصل کریں۔ محمد بن سیرینؒ نے کوفہ کا سفر کیا کہ عبیدہؒ و علقمہؒ و عبد الرحمان بن ابی لیلیٰؒ سے حدیثیں سنیں۔ اوزاعیؒ نے یمامہ کا سفر یحییٰ بن ابی کثیرؒ سے ملاقات کے لیے فرمایا اور بصرہ بھی آئے اسی طرح سفیان ثوریؒ نے یمن کا علمی سفر فرمایا۔ سعید بن مسیّبؒ کا کہنا ہے کہ ایک حدیث کی خاطر میں دن و رات سفر کرتا تھا۔ زہریؒ نے ابن المسیبؒ کا یہ قول

نقل کیا ہے کہ میں تین تین سفر ایک حدیث کے لیے کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ امام شعبیؒ نے ایک حدیث بیان کی اور سامع سے فرمایا کہ لو تمھیں یہ بلامشقت مل گئی ورنہ حدیث کے لیے تو لوگ مدینہ کا دور دراز سفر کرتے۔

تابعین اور تبع تابعین حدیث کی تکرار کرتے رہتے، جو حدیث معروف معلوم ہوتی اسے لے لیتے اور جو منکر ہوتی اسے ترک کر دیتے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ہم حدیث کو سن کر اپنے زمانے کے محدثین کے سامنے پیش کرتے، جیسے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ کسوٹی پر جانچ کر بتلائے۔ اس طرح محدثین جس حدیث کی تصدیق کرتے ہم اسے لے لیتے اور جسے ترک کرتے ہم بھی اسے رد کر دیتے۔ اس زمانے کے محدثین بیداری اور باخبری میں بے مثال تھے۔ انہیں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی حدیثیں یاد رہتیں جس کی وجہ سے وہ حدیث میں کسی گھپلے کو سمجھنے پر پوری طرح باخبر تھے۔ صحیح حدیثوں کو موضوع احادیث سے متمیز کرنے کا ملکۂ تام رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں سفیان ثوری کی یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ میں حدیث کی تین طرفہ روایت کا قائل تھا۔ ایک شخص سے حدیث لے کر اسے دین کا حصہ بنالیتا، دوسرے سے حدیث سن کر اسے موقوف کر دیتا، تیسرے کی حدیث کو کوئی اہمیت نہ دیتا، اور اس شخص کی حقیقت دریافت کرتا۔

۳۔ کذابین کی تلاش:

علماء قبول حدیث میں ایک طرف محتاط تھے تو دوسری جانب بعض علماء کھلے طور سے کذابین سے نبرد آزما تھے، ان کو حدیث بیان کرنے سے روکتے تھے۔ ضرورت کے وقت طاقت کا ستعمال بھی جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام شعبیؒ جو ابن الصالح صاحب التفسیر کے ہمراہ اس کا کان پکڑے گزر رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے، بے حیا قرآن پڑھ نہیں سکتا اور قرآن کی تفسیر کرتا پھرتا ہے۔ امام شافعیؒ بیان کرتے ہیں کہ اگر شعبیؒ نہ ہوتے تو حدیث کا چلن عراق میں نہ ہوتا۔ وہ ایک شخص کے پاس آئے اور فرمایا کہ اب حدیث مت بیان کرنا ورنہ قانونی کاروائی کروں گا۔ شعبہؒ کذابین حدیث کے بارے میں نہایت متشددتھے، عبد الملکؒ بن ابراہیم جدی (جو موثوق بہ اور امانت دار تھے) نے بیان کیا کہ میں نے شعبہؒ کو غضبناک انداز میں تیزی سے آگے بڑھتے دیکھا تو میں نے کہا ابو بسطامؒ ٹھہریئے، کیا بات ہے؟ انہوں نے مجھے اینٹ کا ٹکڑا دکھایا جو ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور فرمایا کہ جعفر بن زبیر کذاب کو سزا دینے جا رہا ہوں جو رسول خدا ﷺ پر جھوٹ باندھتا رہتا ہے۔ جس نے چار سو جھوٹی حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی تھیں۔

امام سفیان ثوریؒ بھی کذابین حدیث کے بارے میں بہت سخت تھے، جھوٹوں کے عیب کی پردہ پوشی ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہ تھی۔ ابن ابی غنّیہ بیان کرتے ہیں کہ: "سفیان ثوری سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا میں نے کسی کو نہ پایا وہ کذابین سے کبھی خوفزدہ نہ ہوئے"۔ حماد مالکی نے جو کذاب تھا ایک حدیث بیان کی اور عمرو انماطیؒ اس کے پاس آئے، انہوں نے اس سے کہا کہ میں جب تک تمہیں سزا نہ دلادوں گا چھوڑوں گا نہیں، پھر اس نے اس کا اقرار کیا

کہ میں نے اسے حسن سے نہیں سنا ہے اور قسم کھائی کہ حدیث نہ بیان کروں گا، عمرو انماطیؒ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے اس سے تحریر لکھوائی اور اس پر گواہیاں بھی لی۔[32]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھوٹے چھپتے پھرتے اور حتی الامکان بے موقع جھوٹ بولنے سے پرہیز کرتے۔ عوام بھی اس طریق کار کو اچھی نظر سے دیکھتے وہ کم درجہ کی حدیث بیان کرنے والوں اور ثقات کے مابین تمیز کرنے لگے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ابن حجرؒ نے یزید بن ہارونؒ سے بیان کیا کہ جعفر بن زبیرؒ اور عمران بن حُدیرؒ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے، جعفر کے پاس بھیڑ لگی تھی، عمران کے پاس کوئی نہ تھا۔ شعبہؒ وہاں سے گزرے تو اس صورت حال پر تعجب کا اظہار فرمایا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تف ہے تم پر سب سے بڑے کذاب کے گرد جمع ہو اور صادق ترین کو چھوڑے بیٹھے ہو۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھیڑ چھٹ کر عمران کے پاس آگئی اور جعفر کے پاس کوئی نہیں رہا۔ سفیان ثوریؒ کے زمانے میں لوگوں کو جھوٹ کی جسارت نہ ہوتی تھی اس لیے کہ وہ جھوٹوں پر بہت زیادہ متشدد تھے، ان کے پول کھول دیتے، بخیے ادھیڑ دیتے۔ قتیبہ بن سعید نے اس سلسلے میں ہی یہ بات کہی کہ اگر ثوری نہ ہوتے تو پرہیز گاری اور احتیاط فنا ہو چکا ہوتا۔

۴۔ راوی کے حالات کی چھان بین:

صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ رواۃ حدیث کی معرفت یقینی طور سے رکھتے۔ ان کی پوری ہسٹری، ان کے سچے جھوٹے ہونے کا علم پوری طرح حاصل کرتے تا کہ حدیث صحیح کو چھوٹی حدیث سے پوری طرح متمایز کر سکیں۔ اس کے لیے ان کی زندگی ان کی تاریخی احوال اور زندگی کے تغیرات، ماحول و مزاج کی تبدیلیاں غرض ان کی پوری ہسٹری نظر میں رہتی، جس طرح کہ وہ (احفظ اور اضبط) زیادہ حفظ وضبط والے اور صحبت و ہم نشینی کے بارے میں بھی مدارج رواۃ سے واقف ہوتے۔ اسی کو سفیان ثوریؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا کہ رواۃ نے جب دروغ بافی اختیار کی تو ہم نے ان کی تاریخ خوانی ضروری جانی۔ رواۃ کے حالات دریافت کرتے، اسے بیان کرتے، اس کی جانچ کرتے، ان کی تعدیل و جرح اللہ تعالیٰ کے لیے عمل میں لاتے۔ اس میں وہ کسی خوف کا گذر نہ ہونے دیتے، نہ کسی قسم کی رعایت ملحوظ رکھتے۔ کسی محدث کو ایسا نہیں پایا گیا کہ وہ حدیث کے معاملہ میں اپنے بھائی، باپ اور اولاد کی رعایت کرتا ہو۔ چنانچہ زیدؒ ابن ابی انیسہ کو ہی دیکھئے، لوگوں کو روک رہے ہیں، لَاتَاخُذُوْا عَنْأَخِیْ، میرے بھائی سے حدیث نہ لو۔

علیؒ بن مدینی سے ان کے والد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے صاف کہا کہ ان کے حالات دوسروں سے دریافت کرو۔ لوگ نہیں مانے پھر آپ کے پاس آئے، دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے سر اٹھایا اور صاف کہہ دیا کہ اللہ کیلئے سچ بولونگا، وہ ضعیف ہیں۔ وکیعؒ بن جراح جن کے والد بیت المال کے ذمہ دار تھے وہ جب اپنے والد سے روایت کرتے تو ان کے ہمراہ کسی اور کو بھی شریک کر دیتے۔ نقاد، حدیث رجال کے حالات پر گفتگو کرنے کے لیے اوقات مقرر کرتے،

دنوں کا تعین کرتے۔ چنانچہ ابو زید انصاریؒ فرماتے ہیں کہ بارش ہو رہی تھی، ہم شعبہؒ کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا کہ آج حدیث بیان کرنے کا دن نہیں ہے بلکہ آج غیبت کا دن ہے۔ ہم جھوٹوں کا پول کھولتے ہیں۔ اپنے شاگردوں اور رفقاء کو حکم دیتے کہ جن رواۃ سے غلطی ہوتی رہتی ہے ان کے حالات واضح کرتے رہو۔ ناقدین رجال، رجال حدیث پر نقد کرتے وقت بڑی گہری نگاہ رکھتے، محدثین کی پوری تاریخ سے واقف ہوتے۔ ان کے اچھے برے کو جانتے پہچانتے۔ چنانچہ شافعیؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَاللہِ لَوْ اَصَبْتُ تِسْعاًوَّتِسْعِیْنَ مَرَّۃًوَّاَخْطَأْتُ مَرَّۃًلَعَدُّوْا عَلَیَّ تِلْکَ الْوَاحِدَۃ[33]

"اگر میری باتیں ۹۹ فیصد صحیح ہوتیں اور کہیں ایک فیصد میری بات غلط ہو جاتی تو ناقدین اس ایک کو میرے کھاتے میں ڈال دیتے۔"

ظاہری تڑاک بھڑاک سے وہ دھوکہ نہ کھاتے، یہ ساری باتیں اخلاص پر مبنی ہوتیں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل میں لائی جاتیں، اسی کو اختیار کرتے جس سے ان کا دل مطمئن ہوتا، تاکہ دین کی صحیح خدمت انجام دے سکیں اور شکوک کا خاتمہ کر سکیں۔

اس جرح و تعدیل کی بنیادیں کبار صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے شریعت حنیفیہ اور مرضی رسالت ﷺ کے مطابق رکھی تھی۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ۔[34]

"اے قوت یقین کے مالک مسلمانو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اطلاع لائے تو اس کو خوب جانچو کہ کہیں کسی قوم پر اپنی ناواقفیت کی بناء پر پل پڑو پھر بعد میں کئے ہوئے پر پچھتاوا ہو"۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے بِئْسَ أَخُو الْعَشِیْرَۃِ فرما کر جرح کی بنیاد استوار فرمادی اور اِنَّ عَبْدَاللہِ رَجُلٌ صَالِحٌ فرما کر تعدیل کی اساس رکھ دی۔ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ رجال پر گفتگو کرنے والے نجوم ہدایت ہیں جو تاریکیوں کے چراغ ہیں جن کی روشنی میں خراب چیزوں کو نکال کر الگ کر دیا گیا۔

جب تابعین کا دور بھی قریب الختم ہو گیا، جو دوسری صدی کے نصف تک تھا اس وقت ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے جرح و تعدیل کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔ امام مالکؒ نے خوب کہا ہے کہ علم حدیث چار سے نہ لیا جائے، ان کے سوا دوسروں سے لیا جاسکتا ہے۔ ھوا پرست جو لوگوں کو برائیوں کی دعوت دیتا ہو، نہ کسی ایسے اناڑی سے جس کی بیوقوفی سے سبھی واقف ہوں، اگرچہ روایتیں خوب بیان کرتا ہو، اور ایسا شخص جو بات بات میں جھوٹ بولنے کا عادی ہو گو وہ حدیث

رسول ﷺ کے سلسلے میں جھوٹ بولنے کی تہمت سے بری ہو۔ چوتھا وہ شخص جو صاحب فضل بھی ہو اور صالح بھی ہو، عبادت گزار بھی ہو لیکن اسے حدیث کے بارے میں علم نہ ہو کہ واقعی یہ حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ ابن سیرینؒ، ابراہیم نخعیؒ اور طاؤسؒ کے سوا بہت سے تابعین کا کہنا ہے کہ حدیث صرف ایسے ثقہ راوی سے قبول کی جائے جو روایت کے بارے میں واقف ہو، حافظ حدیث بھی ہو اور علمائے حدیث میں سے کسی کو اس کی رائے کی مخالفت کرتے نہ سنا گیا ہو۔ یہی انداز ہمیشہ سے اہل معیار کا تھا، اس کا سلسلہ صدر اسلام سے لے کر تدوین حدیث کے رواج تصنیف تک یکساں رہا۔ کچھ راویوں کو قبول نصیب رہا، کچھ کو لوگوں نے ترک کر دیا، حتیٰ کی علم الجرح والتعدیل کی تکمیل عمل میں آگئی۔ تاریخ عالم میں نہ پہلے دنیا کی کسی قوم کو یہ شرف حاصل ہوا، نہ موجودہ متمدن دنیا میں کسی کو یہ فخر نصیب ہوا کہ اسماء الرجال کے فن کو مسلمانوں کے انداز پر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ مسلمانوں نے اس علم سے دنیا کو روشناس کر کے اپنی مثال قائم کر دی، اس پُر خطر اور عظیم علم (علم رجال) کے ذریعہ ۵ لاکھ (پانچ لاکھ) افراد کے حالات و سوانح باریک بینی کے ساتھ سامنے لائے گئے۔

۵۔ موضوع احادیث کو جانچنے کے بنیادی اصول :

جس طرح علماء نے صحیح حسن، ضعیف حدیثوں کی تمیز کے لیے بہت سے قواعد مرتب کئے ہیں وہیں موضوع حدیثوں کی معرفت کے لیے بھی کچھ اصول مرتب کئے۔ چنانچہ سندِ حدیث میں گھڑی حدیثوں کی معرفت اور متن میں گھڑی ہوئی حدیثوں کی علامات و نشانیاں الگ الگ بیان کیں، ذیل میں ہم اس پر گفتگو کریں گے۔

الف۔ سند میں وضع کی علامات :

۱۔ راوی حدیث کذب کا اعتراف کرے اور اپنی روایت کی خود سازی کا اقرار کرے جیسا کہ عبد الکریم وضاع حدیث نے اور ابو عصمت نوح ابن مریم نے لکھا۔ اسی طرح ابو جزی نے اپنے بستر علالت میں اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر موت مسلط نہ کر رکھی ہوتی تو میں کیسے اعتراف و اقرار کرتا مگر اسی نے مجبور کیا۔ میں تمھارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے فلاں فلاں حدیث وضع کی تھی، اب میں استغفار کرتا ہوں اور گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اب اس سے بڑی دلیل وضع حدیث میں اور کیا ہو سکتی ہے۔

۲۔ کوئی قرینہ جو وضع حدیث کے اعتراف میں شاہد ہو مثلاً ایسے شخص سے روایت جس سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو یا ایسے شخص سے روایت جو دوسرے شہر میں ہو اور وہاں تک راوی کا جانا ثابت نہ ہو، یا ایسے شخص سے روایت جو راوی کی موت کے بعد پیدا ہوا ہو یا شیخ کا انتقال اس وقت ہوا جب راوی اتنا چھوٹا تھا کہ وہ کوئی بات نہ سمجھتا ہو۔

۳۔ راوی جو کذب کے لیے معروف و مشہور ہو، اپنی روایت میں منفرد ہو، کسی دوسرے ثقہ سے روایت نہ پہنچی ہو، ایسی روایت کو وضع کی ہوئی بلا جھجک کہہ سکتے ہیں۔ باریک بیں علماء نے امت کے کذابین کی فہرست تیار کر لی ہے اور جس انداز کا جھوٹ ان کذابین نے روایت میں بیان کیا ہے اسے بھی واضح کر دیا ہے۔

۴۔ وہ قرائن جن سے وضع کا پتہ لگایا جائے، راوی کے حالات سے استدلال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مامون بن احمد کے ساتھ ہوا کہ اس کی موجودگی میں حسنؒ کا ابو ہریرہؓ سے حدیثیں سننے کے بارے میں اختلاف ہوا اور اسی مجلس میں چند لمحہ بعد اپنی سند بغیر کسی خدشہ کے رسول خدا ﷺ سے ملادی، اور کہا کہ حسنؒ نے ابو ہریرہؓ سے سنا۔

ب۔ متن میں وضع کی علامتیں:

امام ابن قیم الجوزیہؒ نے بیان کیا کہ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ بھلا سند پر مقرر کئے ہوئے کسی ضابطہ سے موضوع روایت کی معرفت ممکن ہے؟ یہ ایک اہم سوال تھا۔ یہ تو وہی شخص بتا سکتا ہے جس نے سنت صحیحہ کی معرفت میں ہڈی پسلی ایک کر دی ہو۔ سنت اس کا گوشت پوست بن گئی ہو اور اسے سنت کو جانچنے کا ملکہ حاصل ہو۔ سنن و آثار کے جانچنے میں خصوصی ملکہ و پرکھ حاصل ہو، خود پیامبر ﷺ سے اس کی ایسی نسبت ہو کہ اس سے وہ حضور ﷺ کی سنت کو فوراً بھانپ جائے کہ حضور ﷺ کس چیز کی نہی فرما سکتے ہیں اور کس کی خبر دے سکتے ہیں۔ کس بات کی طرف بلا سکتے ہیں، آپ ﷺ کیا پسند کرتے ہیں، کیا ناپسند فرماتے ہیں اور امت کو شریعت کا کیا پیام دے سکتے ہیں۔ جیسے وہ رسول ﷺ کے ساتھ رات دن بیٹھنے والا رہنے والا اور آپ کا صحابی ہو۔ ایسا ہی شخص رسول ﷺ کے احوال، ان کی سنتوں اور ان کی گفتگو سے واقف ہو سکتا ہے۔ اسے اس کا بھی شعور ہو گا کہ کیا بیان کرنا چاہیے، کیا بیان نہ کرنا چاہیے۔ ہر عاشق اپنے محبوب کا اداشناس ہوتا ہے، ہر وقت وہ اس کی باتوں اور انداز و کردار کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس کی طرف منسوب غلط و صحیح کی تمیز کرتا ہے۔

ابن دقیق العیدؒ نے بیان کیا کہ بہت سے لوگ ایسا بلند ذوق رکھتے ہیں کہ وہ واضع حدیث سے حدیث سنتے ہی واقف ہو جاتے ہیں۔ وہ روایت و الفاظ حدیث کے سنتے ہی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا قول ہو سکتا ہے یا نہیں۔ چونکہ ان کو دن رات نبی کریم ﷺ کی گفتار و کردار کے سلسلے میں آنے والے الفاظ اور ان کے استعمال سے واقفیت ہوتی ہے۔ اس لیے ان میں ایک ملکہ اور ہیئت نفسانیہ پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ پیامبر ﷺ کے اقوال کی تمیز غیر اقوالِ پیامبر سے کر لیتے ہیں۔ اس طریقہ سے مرویات کے لیے قرائن کا تعین راوی کے حالات کے تعین سے زیادہ آسان ہے۔

وضع حدیث فی المتن کے قرائن:

ا۔ روایت کے الفاظ کا گھٹیا پن، کہ اس کو سن کر رسول اللہ ﷺ کے لغت، ادب اور فصاحت کے بارے میں غیر معمولی شدبد رکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ یہ پیامبر کا فرمان نہیں ہے۔ بہت سے فرسودہ اور بے معنی الفاظ پر مشتمل

احادیث موجود ہیں جو خود ہی اپنے وضع ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ ابنِ حجرؒ نے فرمایا کہ معنی میں گھٹیا پن اصل رکاکت ہے، جہاں کہیں اس طرح کے الفاظ ہوں وضع کی دلیل ہوں گے۔

۲۔ فساد معنی، جیسے وہ احادیث جس کو عقل مسترد کر دے، جیسے کہ یہ حدیث "بینگن اس کے لیے جو اسے کھائے، بینگن میں تمام بیماریوں سے شفاء ہے۔" یا حدیث کو برا انداز دینا، جیسے حدیث، "اگر چاول انسان ہوتا تو بردبار ہوتا، جب بھی کسی بھوکے نے استعمال کیا آسودہ ہو گیا"۔ ابنِ قیم الجوزیہؒ نے کہا یہ ان بھدی باتوں میں سے ایک ہے جسے عقل تسلیم نہیں کرتی اور عاقل اس قسم کی لغوبات منہ سے نہیں نکالتا، چہ جائے کہ سید الانبیاء ﷺ اپنی زبان سے ایسی باتیں ادا کریں۔ اسی طرح یہ حدیثکہ "جس نے سفید مرغی اپنے پاس رکھی نہ شیطان کا اس پر اثر ہو گا، نہ جادو کام کرے گا"۔

ایسی ساری حدیثیں جن میں ایسی باتوں کا ذکر موجود ہو، جو ذی عقل لوگوں سے بعید ہوں۔ مثلاً مومن میٹھا ہوتا ہے اور مٹھاس پسند کرتا ہے یا کہکشاں جو آسمان پر نظر آتی ہے اس اژدھے کی رگ ہے جو زیر عرش پایا جاتا ہے۔

۳۔ کتاب یا سنت متواتر، یا اجماع قطعی یا سنت کی صریح مخالف بات۔ ابن قیم الجوزیہؒ کہتے ہیں کہ موضوعات میں وہ حدیثیں جو قرآن کے صریح مخالف ہوں، جیسے دنیا کی عمر کی حدیث کہ دنیا سات ہزار سال پرانی ہے اور ساتویں ہزار تک جائے گی، یہ کھلا جھوٹ ہے

۴۔ اسی طرح سے ایسی حدیثیں جن سے صحابہ کے کتمان حق اور صحیح بات نقل نہ کرنے کا اثبات ہو وہ ساری حدیثیں گھڑی ہوئی ہیں، ان کا کوئی سر پیر نہیں۔

۵۔ ایسی حدیثیں جو تاریخی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتی ہوں اور رسول خدا ﷺ کی زندگی کا ایک دوسرا ہی رخ بنا دیتی ہوں، یا کسی دوسرے قرینہ سے ان کی غلط بیانی و دروغ بافی ثابت ہو جائے۔ جیسے اہل خیبر سے جزیہ کے خاتمہ کی روایتیں مختلف وجوہ سے غلط بیانی ہے۔ پہلی غلط بیانی اس روایت میں سعد بن معاذؓ کی شہادت روایت کی گئی ہے، حالانکہ سعد اس واقعہ سے کئی سال پہلے غزوۂ خندق میں انتقال کر چکے ہیں وغیرہ۔

یہ قواعد و ضوابط تھے جنہیں گرامی و باریک بیں علماء نے، جو امت میں علم کا معیار تھے، موضوع حدیثوں کو صحیح حدیثوں سے ممتاز کرنے کے لیے بنائے تھے۔ مزید براں انہوں نے موضوع حدیثوں کے بخئیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ ان موضوعات کو بھی مجلدات کثیرہ میں اکٹھا کر کے شائع کر دیا۔ یہ ضوابط سند و متن حدیث دونوں میں برتے گئے۔ ان کی مساعی صرف سند تک ہی محدود نہیں تھیں، بلکہ متن کو بھی بڑی عرق ریزی سے پرکھ کر صحیح کو سقیم سے الگ کر دکھایا۔

نتائج البحث:

۱۔ فتنہ انکارِ حدیث اتنا قدیم ہے کہ جتنا علم حدیث خود۔

۲۔ انکارِ حدیث دورِ رسالت اور عہد صحابہ میں آپ ﷺ فرمان نہ ماننے اور صحابہ پر طعن و تشنیع کی صورت میں تھا۔

۳۔ تابعین کے دور میں انکار حدیث کو یہود نے پروان چڑھایا۔

۴۔ دور حاضر میں انکار حدیث کے لیے مستشرقین نے نادان مسلمانوں دوستوں سے بھی حاصل کی، ان کی کوئی صور واشکال ہیں۔

۵۔ دوسرا اہم فتنہ وضعِ حدیث کا تھا، جس کا آغاز خلافت راشدہ کے بعد ہوا۔

۶۔ وضع حدیث کے بنیادی اسباب مذہبی و سیاسی گروہ بندی تھی۔ اس فتنہ کا ارتکاب میں مسلم اور غیر مسلم برابر شریک رہے۔

۷۔ فتنہ انکار حدیث اور وضع حدیث کے تابڑ توڑ حملوں کے دفاع کے لیے اللہ تعالیٰ نے مردانِ حق پیدا کیے۔

۸۔ علماء حدیث ورجال نے نہ صرف اس فتنہ کا پردہ چاک کیا بلکہ ان کے اعتراضات کے جواب دے کر انہیں خاموش کروادیا۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ صفی الرحمن، حجیت حدیث، مکتب التعاونی، ریاض، 2011، ص:22

2۔ ابن حجر، لسان المیزان، مکتب المطبوع الاسلامیہ، حلب، 2002، 390/3

3۔ ابن حجر، لسان المیزان، 992/3

4۔ ابن حجر، لسان المیزان، 190/3

5۔ عبد الرؤف ظفر، التحدیث فی علوم الحدیث، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2008، ص:33

6۔ ڈاکٹر خالد محمود، اثار الحدیث، دار المعارف، لاہور، 2018، 402/2

7۔ صفی الرحمن، حجیت حدیث، ص:45

8۔ صفی الرحمن، حجیت حدیث، ص:46

9۔ غلام احمد پرویز، معارف القران، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، 1960، 632/4

10۔ تقی الدین ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح، دار الفکر المعاصر، بیروت، 1970، ص:47

11۔ احمد بن حنبل، المسند، دار الحدیث، قاہرہ، 1969، 131/1

12۔ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، دار الحدیث، قاہرہ، 1969، حدیث:3982

13۔ خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، مکتبہ العلمیہ، مدینہ منورہ، 1410ھ، ص:130

14۔ الذھبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2001، 125/2

15۔ذھبی، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیہ لبنان، بیروت۔1998، ص؛1/89
16۔ذھبی، تذکرۃ الحفاظ،1/97
17۔سورۃ یونس:10/15
18۔سورۃ البقرۃ:2/180
19۔الترمذی، محمد بن عیسی ترمذی، الجامع، مکتبہ العلم، لاھور،2003، حدیث:2120
20۔سورۃ النسآء:4/59
21۔سورۃ النجم:53/3-4
22۔سورۃ یوسف:12/70
23۔سورۃ یوسف:12/76
24۔سورۃ البقرۃ:2/154
25۔سورۃ الکھف:18/23
26۔سورۃ ھود:11/36
27۔سورۃ ھود:11/39
28۔سورۃ الحجر:15/9
29۔ذھبی، تذکرۃ الحفاظ،1/85
30۔القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، دار السلام، لاھور215، حدیث:93
31۔خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، ص:162
32۔ذھبی، مناقب امام الاعظم، دار الصحابۃ للتراث،993ھ، ص:25
33۔ذھبی، تذکرۃ الحفاظ،1/88
34۔سورۃ الحجرات:49/6